ڈاکٹر فضل الرحمن (م۱۹۸۸ء) کے آراء کا ایجابی اور سلبی پہلو

The Negative and Positive aspect of the Dr.Fazal-ur-Rahman's View

*ڈاکٹر زینب امین
** ڈاکٹر محمد یونس

Abstract

The government of General Ayub Khan (Former President of Pakistan) established an Institution in 1960, in the name of Idarah Tahqeeqat Islami (Islamic Research Institute).
Dr, Fazlur Rahman, was the visiting professor at the institute remained on the rank of director of the year 1961 to 768 in seven years... And later, he serves as an advisor to the Islamic Ideology council. The writer who was published by the Institute of Islamic Research was the first editor of "Fikr-o - Nazar". The scholars were considered as 'expertise of logic and philosophy' as 'interpretation of the Qur'an'. It is mentioned in the various verses of the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him). The slaughtering of zakat in 'zakat' animal slaughtering 'basic laws and family planning' matters of marriage and Sunnah, such as the month of revelation, and their opinions have earned great reputation. And because of which they were accused of denying the heavenly nature of the Qur'an. Therefore, the first step towards Islamic thinking regarding the Islamic idea was to put an eye on Islamic law and religious beliefs on Islam. According to their plan, the difference between the Quranic verses and the verses and the laws of the law, is the difference.
Regarding the meanings, his axis received: The beginning of the tradition and the meaning of 'the law of the law' is the word and the law. Islamic Laws' Principles Concernedly speaking about issues like Fiqh and Qa'as and al-Azai speak.

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ' وویمن یونیورسٹی' پشاور
** چیئرمین شعبہ اسلامیات' گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج کرک

After the fourteen centuries before the belief of Islam and the deep and meaningful view of the 'legal' spiritual and spiritual life of the world, the present dictatorship in the present period in this article the dictatorship of the deceased

Key words: Dr Fazl-ur-Rahman- Services, Islam, Qura'n, Hadith.

جنرل ایوب خان مرحوم (سابق صدر پاکستان) کی حکومت نے ۱۹۶۰ء میں ایک ادارہ' ادارہ تحقیقات اسلامی کے نام سے علوم اسلامی میں تحقیقات اور جدید ضرورتوں کے لیے اسلام کی تعبیر و تشریح کی غرض سے قائم کیا' اور بعد ازاں ۱۹۶۳ء میں اس ادارہ کو ایک آئینی حیثیت دی گئی۔ ڈاکٹر فضل الرحمن نے اس ادارے میں شمولت اختیار کی پہلے تو وہ وزٹنگ پروفیسر رہے اور ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۸ کے سات برس کے عرصہ میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ اور بعد ازاں اعلی ترین پالیسی ساز ادارہ اسلامی نظریاتی کونسل کے مشیر کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیں۔ ادارہ تحقیقات اسلامی سے شائع ہونے والے مجلہ ''فکر و نظر'' کے پہلے ایڈیٹر بھی تھے۔ موصوف فقہ' علم الکلام' حدیث' قرآن کی تفسیر' منطق اور فلسفہ کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ بیسویں صدی کے متجددین احیاء اسلام میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بینک کے سود کا رتبہ' زکوۃ' جانوروں کے مشین سے ذبح کرنا' عائلی قوانین اور خاندانی منصوبہ بندی' حدیث اور سنت کی عملداری اور وحی کی ماہیت جیسے معاملات میں ان کی آراء نے کافی شہرت پائی اور جس کے باعث ان پر الزامات عائد کر دیے گئے کہ انہوں قرآن کی آسمانی حیثیت سے انکار کیا۔ چنانچہ موصوف کے لیے اسلامی فکر کے احیاء کا پہلا قدم اسلام میں قانونی' الہیاتی' اور صوفیانہ کام پر تاریخی و تنقیدی نظر ڈالنا تھا۔ ان کے منصوبے کے مطابق قرآنی نظریات اور الہیات' تفسیر اور قانون جیسے شعبوں کے درمیان جو تفاوت پایا جاتا ہے' اس کو سامنے لانا لازمی تھا۔

احیاء دین کے سلسلے میں ان کا محور و اصول: حدیث کا آغاز اور اس کی نشو نما' قانون کا ڈھانچہ' جدلیاتی کلام اور شریعت۔ اسلامی شریعت' اصول فقہ اور قیاس اور اجماع جیسے مسائل کی بحث میں گہرائی میں جا کر بات کرتے ہیں۔

چودہ صدیوں پر پھیلی ہوئی اسلام کی اعتقادی' قانونی' عقلی اور روحانی زندگی کا ایک گہرا اور معروضی جائزہ لینے اور اس کے نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد موجودہ دور میں احیاء دین کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی کوششوں کا درج ذیل عنوانات کے تحت مقالہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ ڈاکٹر فضل رحمن: تعارف اور علمی خدمات

۲۔ احیاء دین کے سلسلے میں ان کا طریقہ و اصول کا ایجابی پہلو

۳۔ احیاء دین کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے موقف کا سلبی پہلو۔

۴۔ ان دونوں پہلوؤں (ایجابی و سلبی) کا عصری تناظر میں تحقیقی و ناقدانہ جائزہ۔

۱۔ ڈاکٹر فضل رحمن: تعارف اور علمی خدمات

ڈاکٹر فضل الرحمن ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ۲۱ ستمبر ۱۹۱۹ء کو ضلع ہری پوری ہزارہ میں سرائے صالح کے ملک خاندان میں پیدا ہوئے۔ان کے والد مولانا شہاب الدین دار العلوم دیوبند سے فارغ تحصیل تھے جہاں انہوں نے مولانا محمود الحسن (م ۱۹۲۰ء) شیخ الہند اور فقیہہ اور صوفی مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۹۰۵ء) جیسی عظیم شخصیات سے تعلیم حاصل کی[1]۔

تحصیل علم

ابتدائی طور پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے والد کے ساتھ نجی طور پر مطالعہ کر کے درس نظامی کے نصاب پر عبور حاصل کیا۔ اور اس دوران انہوں نے فقہ، علم الکلام، حدیث، قرآن کی تفسیر، منطق اور فلسفہ کا مطالعہ بھی کیا، اور ۱۹۴۲ میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم عربی میں امتیازی پوزیشن حاصل کی ۱۹۴۶ء میں وہ آکسفورڈ گئے جہاں انہوں نے ابن سینا کی نفسیات پر ایک مقالہ تیار کیا او اسلامی فلسفہ میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

علمی خدمات

آکسفورڈ سے فراغت کے بعد اڈاکٹر صاحب نے ۱۹۵۰ سے ۱۹۵۸ تک ڈرہم یونیورسٹی میں فارسی اور اسلامی فلسفے کی تدریس کی۔ بعد ازاں برطانیہ سے کینیڈا چلے گئے جہاں انہوں نے McGill University کے ادارہ برائے اسلامی علوم میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کے طور پر پڑھایا۔ جب دوبارہ بیرونی ملک چلے گئے تو جامعہ کیلفورنیا، لاس اینجلس میں مختصر عرصے تک بطور وزٹنگ پروفیسر پڑھانے کے بعد انہیں ۱۹۶۹ء کے موسم خزاں میں جامعہ شکاگو میں اسلامی فکر کا پروفیسر مقرر کر دیا گیا ۱۹۸۶ میں انہیں شکاگو میں ہارلی ایچ سوئفٹ امتیازی خدمات کا حامل پروفیسر نامزد کیا گیا[2]۔

پاکستان واپسی:

جنرل ایوب خان نے اپنے دور اقتدار میں جب سیاسی اور قانونی اصلاحات شروع کی تو فضل الرحمن نے نئی قائم شدہ مرکزی ادارہ برائے اسلامی تحقیقات میں بطور وزٹنگ پروفیسر کے شمولیت اختیار کی، بعد ازاں ۱۹۶۱ سے ۱۹۶۸ء تک ادارہ کے ڈائیریکٹر کے عہدے پر فائز رہے[3]۔

واضح رہے کہ جنرل ایوب خان ادارہ تحقیقات اسلامی کو جن مقاصد کے لیے قائم کیا تھا وہ یہ ہیں:

۱۔ اسلام کی بنیادی تعلیم کو عقلی اور آزادانہ فکری پیرایہ میں پیش کرنا۔ اور منجملہ اور چیزوں کے، جو اسلام نے انسان اخوت، رواداری اور معاشرتی انصاف کے جو بنیادی اصول بتائیے ہیں ان پر خاص کر زور دینا۔

۲۔ اسلامی تعلیمات کی ایسی تعبیر کرنا کہ جدید زمانہ کی عقلی اور سائنسی ترقی کے پس منظر میں اس کا تخلیقی اور فعال کردار واضح ہو سکے۔

۳۔ اسلامی تاریخ، فلسفہ، قانون، فقہ اور اصول فقہ میں خصوصی تحقیقات کا انتظام کرنا[4]۔

ادارہ کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ملکی قوانین کو کتاب وسنت کے مطابق بنانے میں حکومت کی مدد کی جائے۔ڈاکٹر فضل الرحمن نے اس دوران نہایت علمی اور مفید اصلاحات کے لیے ادارہ کے لیے مختلف موضوعات پر اپنی تحریرات سے مطلوبہ اہداف کو حاصل کرنے کے لیے احیاءدین کے حوالے سے بہت کام کیا۔ادارہ سے تحقیقی مجلہ " فکر و نظر" کی اشاعت ۱۹۶۳ء میں ہوئی اور اس مجلہ پہلے مدیر بھی ڈاکٹر موصوف رہے۔اسلامی علوم اور تہذیب و تاریخ کے حوالے سے گراں قدر مقالات اس کی زینت بنتے رہے ہیں۔برصغیر کی ممتاز علمی شخصیات کے رشحاتِ قلم "فکر و نظر" میں باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں۔اس عرصے کے دوران میں اس کے کئی یادگار خصوصی نمبر بھی سامنے آئے جنہیں دنیا بھر کے اردو دان طبقے میں سراہا گیا۔"فکر و نظر" سہ ماہی جریدہ ہے۔اس وقت ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی میں قائم تھی تو اس رسالہ کے شروع کے اشاعت کراچی سے ہی ہوتی رہی۔اس دوران انہوں نے اعلی ترین پالیسی ساز ادارے اسلام نظریاتی کونسل کے مشیر کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیں۱۹۶۹ء میں پاکستان ایک افراتفری کے دور میں داخل ہوا جس کے دوران بائیں بازوں کی جماعتوں اور طلباء تنظیموں کی قیادت نے دوررس نتائج کی حامل سیاسی تحریک چلا کر ایوب خان کو استعفی دینے پر مجبور کیا۔اس دوران بھی بعض اسلامی حلقوں کی طرف سے ڈاکٹر فضل الرحمن کو مسلسل ہراساں کیا جاتا رہا حتی کہ ان کے پاس ملک چھوڑنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا وہ امریکہ چلے گئے اور جامعہ شکاگو میں اسلامی فکر کے پروفیسر اور محقق کا انتہائی باعزت عہدہ قبول کر لیا۔ یہ کبھی پاکستان واپس نہ آئے۔ وہ ۲۶ جولائی ۱۹۸۸ کو ۶۸ برس کی عمر میں دل کے آپریشن کی باعث امریکہ میں انتقال کر گئے اور وہی پر دفن ہوئے[5]۔

تصنیفات

آپ نے دین کے احیاء کے سلسلے میں متعدد تصنیفات کیں جن میں اکثر انگریزی زبان میں ہیں تاہم آپ نے اردو میں مضامین لکھے ہیں جو فکر و نظر سے اوقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جنرل ایوب خان کے دور میں ڈاکٹر صاحب ایک مقصد کے تحت پاکستان لوٹے تھے اور وہ مقصد پاکستان کو ڈاکٹر صاحب کی اپنی رائے کے مطابق جدید اسلامی خطور پر استوار اور گامزن کرنا تھا۔ چنانچہ ان کے لیے یہ ضروری رہا ہو گا وہ پاکستان کے معاشرے کی عام بول چال کی زبان میں جو علماء کے لیے بھی قابل فہم ہو۔اپنی فکر کا اظہار کریں اور فکر و نظر میں ان کے مضامین کے موضوعات بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اس وقت کے پاکستان کی ضرورت کے مطابق وہ مضامین تحریر کیے گئے۔اس سلسلے میں پاکستان میں موجود مفکرین اور علماء کے طبقے سے ان کی زبانی اور تحریر بحث و نزاع بھی رہی۔

۱۔ **Islamic Methodology in History** یعنی منہاجیات اسلام تاریخ کے آئنے میں' مطبوعہ پہلی بار ۱۹۶۵ صفحات ۲۰۸۔ آخری مرتبہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے شائع ہوا۔اس سے قبل مارچ ۱۹۶۲ سے جون ۱۹۶۳ تک عالمانہ مضامین کا ایک سلسلہ سامنے آیا جنہیں تحقیقاتی ادارہ' (جواب جامعہ اسلامیہ العالمیہ اسلام آباد کا ایک حصہ کے) تحقیقی مجلے

اسلامی مطالعات' میں شائع کیا گیا۔ بعد میں انہیں ۱۹۶۵ میں تاریخ میں اسلامی طریقیات کے نام سے ایک جلد میں شائع کیا گیا ۔اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے: قرآن وسنت اجتہاد اور اجماع صرف فقہ کے اصول اربعہ نہیں بلکہ تمام فکر اسلامی کی اساس بھی یہی چار اصول ہیں تاریخ اسلام بالخصوص اس کے قرون اولی میں ان اصولوں کا کیسے اطلاق کیا گیا اور مختلف حالات زمانوں میں ان کے تحت افکار اسلامی کیسے ارتقاء پذیر ہوتے رہے یہ ہے۔

قرون اول میں سنت' اجتہا اور اجماع سے کیا مراد ہے نیز سنت کیا ہے اور حدیث کیا؟ کتاب میں اس بنیادی مسئلہ پر عالمانہ اور محققانہ نقطہ نظر سے بحث کی گئی ہے' فکر اسلامی کے ابتدائی تشکیلی دور کے بعد کے تغییرات پر بھی محاکمہ کیا گیا ہے۔اس سلسلہ میں اجماع پر بھی بڑی تفصیل سے بحث ہے۔ یہ کتاب اسلامی افکار کے مطالعہ ایک نیا باب ہے۔اس میں فکر اسلامی کے ارتقاء کو ایک ایسے نقطہ نظر سے دیکھا گیا ہے جو تاریخی شعور کا حامل اور تعمیری امکانات کی راہ سمجھانے والا ہے۔

۲۔اسلام Islam: یہ کتاب یونیورسٹی آف شکاگو سے پہلی بار ۱۹۶۹ میں شائع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ محمد کاظم نے کیا ہے اس کتاب کے متعلق جنرل ایوب خان کی ڈائری ۳۰ اپریل ۱۹۶۷ کے اندراج میں لکھا ہے اسلام تحقیقاتی ادارے کے ڈاکٹر فضل الرحمن مجھ سے ملنے آئے۔ وہ اسلام نظریے کے بارے میں ایک کتاب لکھنے میں مشغول تھے۔ میں نے ان کا پہلا باب پڑھا۔ یہ مسحور کن ہے لیکن انہوں نے جو زبان استعمال کی ہے وہ عالمانہ اور دقیق ہے۔ان کے ساتھ کچھ صاحب علم لوگوں کو وابستہ کرنے کا بندوبست کیا گیا ہے تاکہ ہر باب کے مرکزی خیال پر بات چیت ہو سکے اور پھر اسے سادہ زبان میں لکھا جاسکے۔ڈاکٹر صاحب بعد ازاں اس پر نظر ثانی کر سکتے ہیں تاکہ یقینی بنایا جاسکے کہ مرکزی خیال درست انداز میں برآمد کر لیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب جب تصنیف ہو گی تو اسلام کی خدمت میں ایک حقیقی حصہ ثابت ہو گی زبان کی سادگی کی شرط ضروری ہے تاکہ اسے محدود تعلیم یافتہ شخص کے لیے بھی سمجھنے میں آسان بنایا جاسکے[6]۔

یہ ایک انتہائی عالمانہ کتاب ہے جو یورپی قارئین کے لیے لکھی گئی اور اس میں اسلام کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کی گئی۔اس کتاب کے بارے میں خود فضل الرحمن نے لکھا ہے کہ یہ کتاب قاری کو اسلام کی تقریباً چودہ صدیوں پر محیط عام نشو ونما سے آگاہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔اس لیے یہ بنیادی طور پر معلوماتی ہے۔ چونکہ اس کا مقصد حتی الامکان ایک مربوط اور بامعنی بیانہ پیش کرنا ہے' نہ کہ اسلام کی نشو ونما کے بظاہر انفرادی مظاہر یا پہلوؤں کے بارے میں بے ربط بیانات سامنے لانا' اس لیے کتاب کو اپنے اسلوب میں تعبیر بھی کرنا تھا اور وہ صرف معلوماتی نہیں رہ سکتی تھی۔اپنے اس تعبیری اسلوب کی وجہ سے کتاب کسی حد تک یہ فرض کرتی ہے کہ قاری اسلام سے متعلق عام لٹریچر کے کچھ حصے سے جو انگریزی میں موجود ہے پہلے ہی آگاہ ہو[7]۔

اس کتاب میں تجزیاتی' فکری اور فلسفیانہ انداز بیان ہے جس سے وہ اسلام اور اس کی تعلیمات اور اداروں کے بارے میں مستشرقین کی غیر متوازن آراء اور بعض امور میں ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا جواب مستشرقین کی اپنی زبان اور ان کے

مخصوص اصطلاحی محاورے (jargon) میں دیتے ہیں مصنف کا یہ تعبیر بیانہ ظاہری وجوہات کی بناپر خاصا دقیق ہے اس انداز کی مثالیں بعض ابواب میں خاص طور پر زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً حدیث کا آغاز اور اس کی نشوونما' قانون کا ڈھانچا' جدلیاتی کلام اور شریعت وغیرہ ان ابواب میں اور بعض دوسری جگہوں پر بھی جہاں جہاں مصنف مستشرقین کی آراء کو اپنی تنقید کا موضوع بناتے ہیں: مثلاً اسلامی شریعت' اصول فقہ اور قیاس اور اجماع جیسے مسائل کی بحث میں گہرائی میں جاکر بات کرتے ہیں تو ان کا انداز اتنا مفکرانہ اور فلسفیانہ ہوا ہے کہ ایک اوسط قاری اسے آسانی سے سمجھ نہیں سکتا۔ اس کتاب میں احیاء دین کے حوالے سے ایک جدید یت انداز اپنایا گیا ہے۔

۳۔ ***Prophecy in Islam: Philosophy and Orthodoxy,*** فلسفہ اور روایتی عقائد کے متعلق یہ کتاب ہے فلسفے میں تبدیلی اور بعد میں ٹوٹ پھوٹ کے شکار کی وجہ سے یہ تحریر تالیف کی گئی اس کتاب کے متعلق خود ان کے بقول:

۱۹۵۶ء میں نے Prophecy in Islam کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کی جس میں میں نے روایتی اسلام علم کلام اور مسلم فلسفیوں کے خیالات کے درمیان سخت تصادم سے بحث کی فلسفی ذہنی اعتبار سے زیادہ ہنر مند تھے۔ ان کے دلائل بہت لطیف تھے اور اس فن میں انہیں کمال حاصل تھا' مگر ان کا خدا ایک تجریدی مجسمہ تھا' جو نہ قادر ہے نہ رحیم۔ اس کے برعکس متکلمین چاہے علمی طور پر قدرے پس ماندہ رہے ہوں' مگر ان کا دل یہ گواہی دیتا تھا کہ مذہب کا خدا ایک توانا اور زندہ حقیقت ہے ' جو دعاؤں کا جواب دیتا ہے اور لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی رہنمائی کرتا ہے اور تاریخ میں عمل دخل رکھتا ہے' ابن تیمیہ نے اس بات کو اپنے تیکھے انداز میں یوں بیان کیا وہ کہتا ہے اور کر دکھاتا ہے[8]۔

۴۔ **Major Themes of Qur'an** :یعنی قرآن کے اہم مضامین' اس کے مقدمہ میں ڈاکٹر صاحب نے کتاب کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں نے قرآن پر وسیع پیمانہ پر لکھا ہے۔ اور اکثر مفسرین کرام نے آیت کی تشریح و توضیح نصوص کے ذریعے کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم وہ قرآن کے ان حصے کے متعلق ان کو توجہ نہیں ہوئے۔ چنانچہ فضل الرحمن مرحوم کے لیے اسلامی فکر کے احیاء کا پہلا قدم اسلام قانون' الہیاتی اور صوفیانہ کام تاریخی تنقیدی نظر ڈالنا تھا۔ ان کے منصوبے کے مطابق قرآنی نظریات اور الہیات' تفسیر اور قانون جیسے شعبے کے درمیان جو تفاوت پائی جاتی ہے' اس کا سامنے لانا لازمی تھا۔۔۔۔۔۔ انہوں نے قرآن سے اس تکلیف دہ انحراف کا آغاز بنو امیہ کی حکومت کے قیام کے بعد ابھرنے والی سنی تقلیدی پسندی کو بتایا ہے۔ اس کتاب میں یہ بتانے کے کوشش کی خاندانی حکمرانی سامنے آنے سے اسلام کی ترقی پر سب سے منفی اثر پڑا۔ اس کتاب میں قرآن کے اہم مضامین میں سب سے پہلے اللہ یعنی God بیان کیا ہے اس کے بعد انسان کا بطور انفرادیت' فطرت' وحی اور نبوت' اسی طرح گناہ اور ثواب کے تصور پر تفصیل سے لکھا ہے۔

۵۔ **Islam and Modernity**۔یعنی اسلام اور جدیدیت: اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے اسلامی معاشروں کے زوال کی بنیادی وجہ اسلام کے فکری ورثے کو قرار دیا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اس زوال کا آغاز اٹھارہویں صدی کے بعد مغرب کی جانب سے اسلامی معاشروں میں مداخلت سے شروع نہیں ہوا تھا۔انہوں نے فکری جمود اور اصلی سوچ کی بجائے توضیحات اور شرحات پر مبنی کام کرنا' اجتہاد کا دروازہ بند کرنا اور اسلام کے طریقہ کی بنیاد مکمل طور پر اندھی تقلید پر رکھنا اس کی وجوہات تھیں۔ جو زوال کا باعث بنیں۔اس کتاب کے عناوین کے شروع میں تقلید کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور ورثے کا نام دیا بعد میں کلاسیکل اسلام کے حوالے سے اجتہاد پر گفتگو کی ہے۔

ان کے اہم تصنیفات کے علاوہ آپ کے کئی مضامین ہیں یہاں صرف آپ کے ان مضامین کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو اردو زبان میں ہیں:

۔اسلام کے ابتدائی عہد میں سنت' اجماع واجتہاد کے تصورات' فکر و نظر' جلد' ۱' ۱۹۶۳ء ص۷۔۳۳۔

۔سنت اور حدیث تصور سنت پر تفصیلی بحث' فکر وو نظر ج ا شمارہ ۳۔۴' ۱۹۶۳' ص۹۔۲۔

۔تحریک حدیث' فکر وو نظر' جلد ا شمارہ۔۵۔۱۹۶۳ء ص۷۔۲۴۔

۔حدیث اور اہل سنت والجمات' فکر و نظر' ج ا' شمارہ۶۔۱۹۶۳,ص۷۔۲۶۔

۔سنت وحدیث' وفکر و نظر' ج ا شمارہ' ۷۔۱۹۶۴۔ص۱۷۔۲۲۔

۔قرون اولی کے تشکیلی دور کے بعد اسلام' یہ مضمون چھ اقساط میں مختلف ذیل عنوانات کے تحت وفکر کی ج ا' کے شمارہ نمبر ۹' ۱۹۶۴ء سے ج ۲' کے شمارہ ۵۔۶۔۱۹۶۴ تک شائع ہوئے۔

۔معاشرتی تغیر اور سنت اولی' دو قسطوں میں فکر وو نظر ج ۳,شمارہ ۷ ۱۹۶۶' ۴۶۵۔۴۹۱۔

۔ابن سینا اور راسخ العقیدہ اسلام' فکر وو نظر' ج ۳,شمارہ ۹۔۱۰۔۱۹۶۶ء۔

۔اسلام پر تجدد پسندی کے اثرات' فکر و نظر ج ۴,شمارہ ا۔۲' ۱۹۶۶ء ص۹۔۲۸

۔اسلام' فکر و نظر ج ۵' شمارہ ا, ۱۹۶۷ء ص۹۔۲۰۔

۔محمد ﷺ دو اقساط میں فکر و نظر کی ج ۵' شمارات ۲ اور ۳۔صفحان ۸۹۔۱۰۵۔

۔قرآن مجید' فکر و نظر' ج ۵' شمارہ ۴' ۱۹۶۷ء' ص۲۴۹۔۲۶۸۔

۲۔ڈاکٹر فضل الرحمن کے افکار کا ایجابی اور سلبی پہلو:

ا۔ ڈاکٹر فضل الرحمن مرحوم اسلامی مطالعات' خصوصاً اسلام کی فکری تاریخ اور اسلامی جدیدیت کے حوالے سے علمی حلقوں میں پہنچانے جاتے ہیں۔ موصوف کے افکار کے ایجابی پہلو میں اہم بات قومی زبان کے حوالے سے ہیں اگر زبان کے بارے میں ڈاکٹر فضل الرحمن کے بنیادی نقطہ نگاہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات بہت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ان کے نزدیک فکر خالص ذہن میں تنہا جنم نہیں لیتی بلکہ اس کے ساتھ الفاظ بھی جڑے ہوتے ہیں۔اور اگر کوئی زبان اپنے الفاظ کے ذخیرے سے مالا مال نہ

ہو تو اس زبان میں نئے خیالات اور فکر خالص کا جنم لینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ نتیجہ ایسے ممالک جن کی ایک ترقی یافتہ قومی زبان نہ ہو ان کا تعلیم و تحقیق کا معیار نہایت پست رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر فضل الرحمن کی فکر ایک بنیادی امتیاز اور اصلاح کوششوں کا بنیادی مقصد اسلامی ممالک میں اعلی تعلیم کا فروغ بھی ہے[9]۔ بلکہ وہ مسلم ممالک کی موجودہ معاشی، سماجی اور سیاسی خراب صورت حال کا ذمہ داران کے نظام تعلیم کو سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں پاکستان میں نظام تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

" ہمارا موجودہ نظام تعلیم اور ملک میں دی جانے والی تعلیم بد قسمتی سے کم و پیش تمام برائیوں اور منفی عوامل کا شکار ہے جو اس میدان زندگی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں"[10]۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ: " نہ تو تقسیم سے پہلے اور نہ ہی تقسیم کے بعد ایک دھائی سے زیادہ کے عرصے میں مسلمانوں نے اسلام پر تخلیق محققین اور مفکرین کی تربیت کے لیے مناسب و موافق حالات پیدا کیے"[11]۔

ڈاکٹر صاحب کے بقول ان برے اور منفی عوامل میں نمایاں ترین ایک تو یہ ہے کہ مجموعی طور پر ہماری قوم تعلیم کی اہمیت کی جانب ایک لاتعلقی اور سرد مہری کا رویہ رکھتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارا نظام تعلیم دہرے معیار کا شکار ہے اور یہ تقسیم جدید نظام تعلیم اور مدرسوں کے نظام تعلیم کی وجہ سے ہے، جو عملی سطح پر ایک ہی معاشرے میں دو طبقات کو جنم دے رہی ہے۔ برائیوں کی اس فہرست میں زبان کے مسئلے کا اضافہ کرتے ہوئے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ " جہاں تک اعلی تعلیم اور فکر کا تعلق ہے ہم ایک بے زبان قوم ہیں"[12]۔ وہ مزید لکھتے ہیں: زبان کے تنازعہ کو سیاسی جذباتیت سے الگ چاہیے ہم کو چاہیے کہ اس وقت کسی ایک زبان کو مناسب طریقے سے اور فوری طور ترقی دیں۔ کیونکہ وقت ہمارے ہاتھوں سے چھوٹا جا رہا ہے۔ ترقی پسند دنیا ہمارا انتظار نہیں کرے گی اور نہ ہی اس کے پاس اس امر کا کوئی خاص جواز ہے کہ وہ ہمارے خود کشی پر مائل ناکامیوں پر ترس کھائے[13]۔

ڈاکٹر صاحب کے بقول: سچ تو یہ ہے کہ جو بھی قابل ذکر فکری کام ہم کرتے ہیں وہ انگریزی میں ہوتا ہے تاہم بحیثیت قوم انگریزی ہمارے لیے ایک بیگانی زبان ہی رہتی ہے[14]۔

ڈاکٹر فضل الرحمن انگریزی زبان کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود وہ اس اعتراف میں حق بجانب ہے کہ بحیثیت قوم یہ زبان ہمارے لیے ایک اجنبی اور بیگانی زبان ہی رہتی ہے۔ وہ اپنے مضمون اردو کا اسلامی ادب" میں اردو کے ساتھ ہمارے روایتی ماضی کے رابطے کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

" اردو نہ صرف عربی اور فارسی سے بہت متاثر ہے بلکہ یہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے ثقافتی ماحول میں پروان چڑھی اس لیے ان خالص معنوں میں یہ ایک اسلامی زبان ہے[15]۔

اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نثر کو اظہار خیال کے لیے ضروری سمجھتے ہیں اس لیے ان کو جو بڑی شکایت اقبال سے تھی اور کبھی نہ دور ہو پائی وہ یہ کہ: '' اقبال نے اپنے منظم اور خاص فکر کے لیے اردو کو نہیں بلکہ انگریزی کو اپنا ذریعہ اظہار بنایا۔ اس لیے ان کے منظم اور حیاتیاتی فکری کی جلیل القدر کتاب انگریزی میں ہے[16]۔

ڈاکٹر صاحب کا اصرار ہے کہ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ فکر خالص کی زبان اردو کو بنایا جائے اور اس میں تخلیقی تصانیف ہوں[17]۔

۲۔ قرآنی تعلیمات میں ان کا ایجابی پہلو یہ ہے وہ جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ایک جدید اسلامی ترقی پسندی کا تصور دیتے ہیں ڈاکٹر صاحب کے مطابق مسلمانوں نے یا تو اسلام کے بنیادی ماخذ یعنی قرآن وسنت کو سمجھنے میں غلطی کی ہے یا پھر وہ آج کے معاشرے اور مسائل کو سمجھ نہیں پارہے۔ ورنہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اسلام سے آج کے دور میں معاشرتی اصلاح اور ترقی کا کام نہ لیا جاسکے۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

'' اگر قرآن کی تازہ فہم کا آج اطلاق نہیں ہو سکتا تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یا تو ہم موجودہ صورت حال کا صحیح تجزیے کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں یا پھر قرآن کو سمجھنے میں کوئی نقص رہ گیا ہے۔ یہ بات ممکن ہی نہیں ہے کہ جس نظریے پر ماضی کے منفرد حالات میں عمل درآمد ہوا' اس پر موجودہ صورت حال کے نئے تقاضوں سے قطع نظر آج بھی عمل نہ کیا جاسکے''[18]۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر یہ کام تھا کہ اسلام کے پیغام' نیز ماضی کے ان حالات کو سمجھا جائے جن میں یہ روبعمل آیا تھا' اور اسلام کے ان آفاقی اصولوں کو اخذ کیا جائے جو زمان مکان سے بے نیاز ہیں وہ لکھتے ہیں:

'' بحیثیت مجموعی قرآن زندگی کی روش کے بارے میں محکمات کو قائم کرتا ہے کائنات کے بارے میں اس کا ایک مطلق نقطہ نظر ہے۔ اس کا دعوی ہے کہ اس کی تعلیمات میں کوئی اندرونی تضاد نہیں ہے' بلکہ یہ مجموعی طور پر مربوط اور ہم آہنگ ہیں''[19]۔

قرآن کے بارے میں اس واضح اور بنیادی روش کا تقاضا ہے کہ اب تاریخ کے عمیق اور ناقدانہ مطالعہ کے ذریعے یہ دریافت کیا جائے کہ خرابی کیسے' کب اور کن مخصوص ضروریات کے تحت پیدا ہوئی اور بالآخر اسلام کا اصل پیغام کیوں تاریخ میں مسلم معاشروں کی محدود سمجھ اور وقتی ضروریات کی نذر ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب ایک بار پھر قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس میں اس ان آفاقی اصولوں کو اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کی صحت زمان ومکان کی قیود کی پابند نہیں اور جن کسوٹی پر خود تاریخ کو پرکھا جانا چاہیے۔ یقیناً اس کامل کتاب میں تمام معاشروں اور تمام وقتوں کے لیے کچھ اعلی آفاقی اخلاقی اصول اور قوانین ہوں گے جنہیں ڈاکٹر صاحب نے یوں بیان کیا ہے:

'' آنحضرت ﷺ کا پورا پیغمبری دور اور ان کا سارا کام بھی شخص اور مابعد الطبیعاتی امور کے بجائے ٹھوس' صحیح معنوں میں انسان کی اخلاقی اصلاح کے لیے وقف تھا۔ اس بات نے قدرتی طور پر مسلمان فقہاء اور اصحاب علم وفضل کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ قرآن اور پیغمبر کے نمونے کو ہر طرح کے سوالوں کے جواب کا واحد ماخذ ومنبع قرار دیں۔ یہ طریقہ جب عملی طور پر کامیاب ہوا تو

اس سے مسلمانوں کے اس بنیادی عقیدے کو مزید تقویت ملی کہ تقریباً تمام حالات میں وحی ہی صحیح جوابات مہیا کرنے کا کام کر سکتی ہے[20]۔

اجتہاد کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب لکھا ہے: '' ایک ایسی کوشش ہے جس کے تحت متعلقہ متن یا ماضی کی قانون نظر کے مطلب کو سمجھا جائے اور اس قاعدے کو وسیع یا محدود کیا جائے یا اس میں ایسی تبدیلی کی جائے کہ ایک نئے حل کے ذریعے ایک نئی صورت حال پر اس کا اطلاق ہو سکے''[21]۔ یہ چند ایک ڈاکٹر صاحب کے ایجابی پہلو میں نمایاں پہلوؤں ہیں۔ ہاں ڈاکٹر صاحب اسلامی دنیا میں ملائشیا اور انڈونیشیاء میں بہت مشہور ہیں۔ البتہ ڈاکٹر صاحب کے افکار کا ایک بنیادی مقصد اس دنیا میں ایک عملی اخلاقی اور مثالی معاشرے کا قیام بہت عزیز ہے۔ تاہم ان کے خیال میں نوآبادیاتی دور میں مغربی جدیدیت نے مسلمان معاشروں کو متاثر کیا' اور اس کے نتیجے میں مسلم فکر و دانش میں مختلف رویے پیدا ہوئے چنانچہ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

'' جہاں تک مسلم دنیا کے ڈھانچے کا تعلق تھا' مغربی دنیا کے نفوذ نے اسے تین طرح سے متاثر کیا۔ اولاً سیاسی و معاشی بالادستی' چاہے وہ بالواسطہ رہی ہو یا راست قبضے کی شکل میں ہو' ثانیاً مغربی سائنسی فکر کے اثر و رسوخ کی صورت میں ثالثاً مسیحی تبلیغ کے ذریعے''[22]۔

مغربی جدیدیت کے زیر اثر مسلم دنیا میں بنیادی طور پر دو طرح کے رویے پیدا ہوئے۔ مغرب سے متاثر جدیدیت پرست مسلمان کھینچ تان کر ہر حال میں اسلام کو مغرب کی جدید سائنس کے مطابق دکھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ ہندوستان میں سرسید احمد خان اس فکر کے ایک اہم نمائندہ تھے۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''انگلستان میں قیام ۱۸۶۹ء کے دروان میں وہ سرسید جدید سائنس کے مقابلے میں قدامت پسند کو نیچری کا نام دیا گیا۔ ان کے خلاف جمال الدین افغانی نے شد و مد سے لکھا اور ان پر مادیت پرست ہونے کا الزام لگایا۔ سرسید نے ان سائنسی اقدار کو مطلق اچھائی کا معیار جانا۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان اگر زندہ رہنا اور ترقی کرنا ہے تو اسلام کو ان اقدار کو قبول کرنا ہو گا''[23]۔

ان جدیدیت پرستوں نے ماضی کی طرح مذہب کے ساتھ جدید خیالات کا ٹانکا لگانے کے لیے قرآن کی بنیاد بنانے کی کوشش کی اگرچہ ڈاکٹر صاحب خود جدیدیت اور مغرب سے متاثر ہیں تاہم ان کے بقول نتیجہ وہی نکلا جو قرون وسطی میں سامنے آیا تھا لکھتے ہیں:

'' خارجی نقطہ نظر سے قرآن مجید کا جزیاتی مطالعہ اس نئے زمانے میں بھی ختم نہیں ہوا' بلکہ بعض اعتبار سے معاملہ کچھ اور بھی زیادہ بگڑ گیا۔۔ بعض مسلمان کچھ بنیادی قسم کے مغربی خیالات اپنانے کی پر جوش حمایت کرتے ہیں اور اکثر قرآن سے اس کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں''[24]۔

احیاءدین کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے افکار کے سلبی پہلو:

ڈاکٹر فضل الرحمن مغربیت اور استشراق سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک مسلمانوں کو مغربیت اختیار کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ مغربی تہذیب اپنانے کے باوجود مسلمان مکمل رہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت سے تصورات محض مستشرقین کے تتبع میں اپنائے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ بعض مسلم اور غیر مسلم اسلام کو ایک مخصوص طرز زندگی سمجھتے ہیں جس میں مشکل ہی سے کوئی تبدیلی ممکن ہے' حالانکہ اسلام کے بہت سے غیر مسلم طالب علم مثلاً پروفیسر گستاف اے وان گرونی بام[25] (Gustave E. Von Grunehaum 1972d) کے نزدیک اسلام دراصل کسی تہذیب وثقافت کا نام نہیں بلکہ قرآن وسنت کے فراہم کردہ کچھ اصول وضوابط کا نام ہے' جس میں وقت اوضروریات سے توافق وتطابق کی گنجائش پائی جاتی ہے[26]۔ ڈاکٹر فضل الرحمن قرآن میں بیان کردہ قصص کی تفصیلات کو بعینہ ماننا ضروری خیال نہیں کرتے۔ وہ ان قصص کو مغرب کے اصول انتقاد وتاریخ کے تناظر میں مطالعہ کرنے کی ضرورت کے حامی ہیں۔

تاہم واضح رہے کہ قصص قرآنی کی تاریخیت کے مغربی اصولوں پر تنقیدی مطالعے کے حوالے سے ڈاکٹر فضل الرحمن ڈاکٹر حسین کے ہم نواز دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم واسماعیل علیم السلام کے تاریخی وجود سے متعلق طہ حسین کے نظریہ کی بنیاد پر جب ان کے خلاف شدید رد عمل آیا اور معاملہ عدالت تک گیا تو انہوں نے یہ موقف اختیار کر کے اپنے حق میں فیصلہ کر لیا تھا کہ بحیثیت مسلم میں ان پیغمبروں کو مانتا ہوں لیکن بحیثیت محقق اور اصول انتقاد اعلی روشنی میں میں مجبور ہوں کہ ان کے وجود کو اس وقت نہ مانوں جب تک کوئی سائنسی شہادت میسر نہ نہ آئے[27]۔ ڈاکٹر صاحب یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہ اس ضمن میں تاریخی تصورات واصول انتقاد کو اہمیت دینے میں کوئی حرج نہیں اور یہ قرآن اور محمد ﷺ کے بنیادی پیغام کی مخالفت نہیں لکھتے ہیں:

قصص ان تفصیلات کی تاریخیت یعنی ان کے قبل از اسلام کے قصوں اور عوامی کہانیوں ہی کی طرح روایتی ہونے کا سوال بجائے خود بڑا دلچسپ ہے' لیکن اس میں مسائل بہت ہیں۔ وحی قرآنی کے مواد کے مآخذ کا سوال بھی نبی کے پیغام کی حقیقی صورت اہمیت جو اس مقصد میں پنہاں ہے' جس کے لیے یہ مواد استعمال کیا گیا۔ گو پرکھنے میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ دوسری طرف مسلمانوں کو ڈرنے اور اس مواد سے متعلق تاریخی نظریے کو رد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ قرآن وقصص سے متعلق یقیناً ہی کہتا ہے کہ یہ وحی کے بیان کردہ حقائق ہیں۔ لیکن یہ وحی یقیناً وہی پیغام ہے جو دینا چاہتے[28]۔

محمد ﷺ پر وحی کے خارج سے نزول اور فرشتہ وحی کے خارجی وجود کا تصور ڈاکٹر فضل الرحمن کے نزدیک مسلم الہییات کی بعد کی بچگانہ تخلیق ہے' یاد رہے کہ اس سلسلے میں ڈاکٹر فضل الرحمن سرسید کے ہم نوا ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جس نے حقیقیت کو ایسا گہنایا ہے کہ اس سے نفرت ہی پیدا کر دی ہے مثلاً ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

یہ اس لیے فرض کیا گیا کہ فرشتہ جبریل یا سماوی آواز کی خارجیت کو موکد کیا جاسکے۔ س میں وحی کی معروضیت کو تحفظ دینے کے مقاصد کارفرما تھے۔ یہ کوشش ہمیں بچگانہ معلوم ہوسکتی ہے لیکن جب عقائد پروان چڑھ رہے تھے اس اقدام کے واضح اسباب

موجود تھے وحی اور فرشتے کی خارجیت کا یہ تصور عام مسلم ذہین میں اتنا گہرا ہو گیا ہے کہ معاملے کی حقیقی صورت گم اور قابل نفرین ہی ہو گئی ہے[29]۔

اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب حضور ﷺ کی وحی کی عدم خارجیت پر قرآنی دلیل قائم کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''قرآن کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے بہت دور' یاافق پر' کچھ دیکھااور یہ چیز واضح کرتی ہے کہ آپ ﷺ کے تجربہ وحی میں ایک اہم عنصر توسیع ذات کا ہے''[30]۔

محمد اسد(م ۱۹۹۲ء) کے مطاابق حدیث کو نظرانداز کر کے قرآنی تعلیمات کو آسانی سے مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھالا جاسکتا ہے[31]۔ اس تناظر میں جائزہ لیا جائے تو تجدد و مغربیت کے لیے کوشادانش وروں کے ہاں یہ قدر مشترک نظر آئے گی کہ وہ تمام حدیث پر اعتراضات کرتے اور اسے ناقابل اعتبار ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے بھی حدیث پر اعتراضات اٹھائی اور اسے نشانہ تنقید بنایاہے۔حدیث کے حوالے سے ان کا نظریہ جوزف شاخت سے واضح تاثر لیے ہوئے ہے۔وہ شاخت ہی کی طرح حدیث وسنت کو ابتدائی مسلم سوسائٹی کی عملی زندگی کا لفظی اظہار قرار دیتے ہیں' ان کہنا ہے کہ حدیث کا یہ مواد وقت کے ساتھ ساتھ ضروریات زمانہ کے لحاظ سے بدلتا رہاہے۔ مختلف لوگوں کی ذاتی آرا کو بعد میں حدیث کے باقاعدہ نظام کی شکل دے دی گئی[32]۔وہ حدیث کو ایک تاریخی افسانہ قرار دیتے ہیں ہوئے لکھتے ہیں: '' حدیث ایک تاریخی افسانے کے سوا کچھ نہیں جس کا مواد مختلف ذرائع سے جمع ہوا''[33]۔

ڈاکٹر فضل الرحمن کے مطابق مسلمانوں میں پانچ نمازوں کا تصور حدیث کی بعد میں اٹھنے والی لہر کا نتیجہ ہے' قرآن میں یہ کہیں مذکور نہیں لکھتے ہیں: '' نمازوں کو بلا کسی تبدیلی وتبادل کے پانچ مقرر کرنا پیغمبر اسلام کے زمانے کے بعد کی ایجاد ہے نمازیں بنیادی طور تین تھیں' لیکن نمازوں کو پانچ قرار دینے کے تصور کی تایید میں گردش میں آنے والی حدیث کی لہر اس حقیقت کو بہا لے گئی''[34]۔

آن حضور ﷺ کے معراج جسمانی کا تصور بھی ڈاکٹر فضل الرحمن کے نزدیک جعلی احادیث کے ذریعے رائج ہوا' ورنہ حضور ﷺ کای تجربہ بھی آپ کے دیگر تجربات کی مانند محض روحانی تھاوہ لکھتے ہیں:

پیغمبر ﷺ کے روحانی تجربات حدیث کے ذریعے جسمانی نوعیت کے بنادیے گئے' بالخصوص جب قدامت پسندی تقریباً مسیح علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کے تصور کے انداز میں محمد ﷺ کے مشینی انداز میں جسمانی طور پر آسمانوں پر جانے کے عقیدے کی شکل میں تشکیل پذیر تھی' اوراسے حدیث کے ذریعے تقویت دی جارہی تھی[35]۔

فضل الرحمن نے قرآن کے متعلق لکھاہے:

قرآن کا قانونی یانیم قانون حصہ خود واضح طور پر ایک موقع محل کی مناسبت بتاتاہے۔مثال کے طور پر مسلمانوں اورن کے مخالفین کے درمیان جنگ اورامن قرآنی اعلانات خاصے مواقعاتی ہیں۔۔ایسے بیانات جو سخت جدوجہد کی صورت میں کسی آبادی کے

دشمن کے ساتھ مثالی برتاؤ سے متعلق تو ہیں تاہم وہ اتنے مواقعاتی ہیں کہ انہیں صرف نیم قانونی کا درجہ ہی دیا جاسکتا ہے نہ کہ انہیں خصوصی قانون مانا جائے[36]۔

اسلامی قانون کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ: '' آنحضرت ﷺ اساسی طور پر بنی نوع انسان کے اخلاق مصلح تھے''[37]۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ شارع قانون ساز نہ تھے اس لیے اسلام کی ترقی کے لیے نہ آپ ﷺ نے قانونی سازی کی' نہ ازروئے قیاس اس کے لیے آپ ﷺ کو فرصت تھی[38]۔

اسی طرح وہ لکھتے ہیں: '' معمولی حالات میں ذات نبوی ﷺ کو زحمت بھی دی جاتی' یا بہت خاص حالات میں قرآن کا سہارا لینا ہی پڑتا' تو ان قرآنی اور نبوی فیصلوں کی نوعیت محض ہنگامی اور وقتی ہوتی' جنہیں قانون کا درجہ نہیں دیا جاسکتا' زیادہ سے زیادہ ایک گونہ نظیر ہی کہا جاسکتا ہے''[39]۔ گویا یہ وہ نظریہ ہے جو جوزف شاخت اور کولسن کا ہے۔

صحیح بخاری کے بارے میں لکھا ہے یہ سمجھنا کہ صحیح بخاری کی ہر حدیث صحیح ہے' غایت روایت پرستی ہے' صحیح بخاری میں تو کذب صریح تک موجود ہے' جس سے ہر بخاری کا پڑھنے والا واقف ہے' زبان سے اقرار نہ کرے یہ اور بات ہے[40]۔

کتب صحاح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صحاح تک کی ہر کتاب میں قرآن مجید کی محفوظیت ولاریبیت اور خلق عظیم نبوی پر حرف لانے والی احادیث پاکر ان کتابوں کو پھاڑ ڈالنے اور چولہے میں جھونکنے کو جی چاہتا ہے[41]۔

ڈاکٹر صاحب کی کتاب '' اسلامی منہاج کی تاریخ'' جو انگریزی زبان ہے تاہم اس کتاب کے مضامین کا اردو ترجمہ فکر و نظر میں شائع ہوتا رہا۔ اس تفسیر' حدیث' فقہ اور عقائد اصول وغیرہ کی شکل میں عبادات' عقائد' معاملات اخلاق' حدود اور سیاسیات وغیرہ کے مختلف شعبوں پر مشتمل ہے یہ آخر کہاں سے آیا؟ بس اسی سوال کے جواب کا نام ''فلسفہ ارتقاء اسلام'' ہے' پہلے اجمالاً اتنی بات ذہن نشین کرائی گی کہ یہ سب عہد وسطی کے فقہاء اور محدثین کی رنگ آمیزی ہے[42]۔ اس کے بعد حدیث' فقہ' عقاید اور اصول الغرض علوم اسلامیہ کے ایک ایک شعبہ کو لے کر اس کے بالکل فرض ارتقائی منازل بیان کیے جانے لگے اور اسلام کے ایک ایک جزئی مسئلہ کا سر محمد سے کاٹ کر زمانہ بعد سے جوڑا جانے لگا اور ساتھ ساتھ ہر ہر مرحلہ پر امت مسلمہ کے قائدین اور دین اسلام کے مخالفین' ائمہ مجتہدین' فقہاء و محدثین بلکہ صحابہ و تابعین کی فرض لغزشوں کے افسانے تراشے جانے لگے اور یہ سب کچھ اتنی صفائی' چابکدستی' سبک روی' ملمع کاری اور معصومانہ انداز میں کہا گیا کہ قاری خود بخود یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائے کہ معاذاللہ دنیا کا سب سے بڑا سازشی اور مکروہ مذہب اسلام ہے اور خطہ زمین کے سب سے بدتر مکار اور فریبی ہر دور کے مسلمان علماء کرام' محافظین اسلام ہیں معاذاللہ۔

یہی وہ کام ہے جو اصل میں مستشرقین کی تصنیفات میں جابجا ملتا ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن نے وہی تصور ان کا اپنے قلم سے دینے سے کوشش کی ہے۔ زکوۃ کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے اسلامی مشاورتی کونس کے قیام اس کے اغراض ومقاصد' ان دونوں اداروں کے تعلق کی نوعیت کا ذکر کیا اور ان کے الفاظ میں بہلی آزمائش یعنی مسئلہ سود کے بارے میں اصلامی مشاروتی کونس کے

پھس پھس رویہ پر تنقید کرتے ہوئے اس موقعہ پر ادارہ تحقیقات اسلامی کی جرات کا قصیدہ شروع ہوتا ہے۔ یہاں یوں بقول لدھیانوی صاحب کے کے ایسا لگتا ہے آپ ابو حنیفہ اور امام شافعی کی حیثیت سے نہیں بلکہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی اتھارٹی کی پوزیشن میں مصروف گویائی ہیں:

ادارہ تحقیقات اسلامی کے تحقیقی مطالعہ نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عرب میں ربا کا واقعہ نظام مروج تھا وہ انتہائی بھونڈے قسم کے معاشی استحصال اور لوٹ کھسوٹ کا تھا اس لیے قرآن مجید نے بار بار کی تنبیہات کے بعد اسے ممنوع قرار دیا اور یہ کہ بعد کی صدیوں میں مسلمان فقہاء نے غیر ضروری طور پر اس ممانعت کا دائرہ ان تمام مالی معاملات پر کر دیا جن میں اصل رقم پر کچھ اضافہ ہوتا ہو' چنانچہ اس ضمن میں ارداہ تحقیقات کا استدلال یہ تھا کہ اسلام کو آج بروئے کار لانے کے لیے سب سے پہلے تو یہ لازمی ہے کہ قرآن مجید کے احکامات کا تاریخی پس منظر سمجھا جائے تاکہ اخلاق' روحانی اور معاشرتی و اقتصادی میدانوں میں قرآن مجید کس قسم کی اغراض کی تکمیل چاہتا ہے' ان کا تعین کیا جائے' نیز آج کے سیاق وسباق میں قرآن کی عملی تطبیق لفظ نہیں کی جاسکتی[43]۔

۱۹۶۷ء میں ایک لیکچر پاکستان کے سرکاری ٹیلی وزن چنیل پی ٹی وی پر دیے گئے ایک لیکچر کے دوران فضل الرحمن نے رائے دی کہ شراب پینا اسلام میں گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ یہ سابق افکار کی تسلسل کے طور پر ان کی تقریر تھیں۔ڈاکٹر صاحب سود کے حوالے سے مزید یوں لکھتے ہیں:

اگر حکومت تجارتی سود کا تمام نظام اپنے ہاتھوں میں لے لے تو میرے خیال میں اس کے جواز کی گنجائش موجود ہے کیونکہ فقہ کا اصول ہے" لاربوا بین المولی وعبدہ" آقا اور غلام کے درمیان سود جائز ہے۔ حکومت اور رعیت کے تعلق کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے[44]۔

تعدد ازواج کے بارے میں ان کے تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت دے دی ہے اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا کہ عام حالات میں ایک مرد کے لیے اک ہی بیوی کا ہونا ہی مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر چونکہ عرب معاشرے میں تعدد ازواد کی جڑیں گہری تھیں' اس لیے اس وقت کے معاشرے کے ساتھ مصالحت کرنے کے لیے قرآن نے قانونی سطح پر تعداد ازواج کو ممکن حد تک تحدید اور پابندیوں کے ساتھ قبول کر لیا اور یہ صراحت بھی کر دی کہ مثالی اخلاقی معاشرہ وہ ہے جس میں ایک مرد کی ایک ہی بیوی ہو اور آنحضرت ﷺ کی یہ آرزو تھی کہ مسلمان اس معاشرے کو تدریجاً اپنائیں گے' بہر حال تاریخی لحاظ سے ہوا اس کے برعکس کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد وسیع پیمانے پر مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں' جن کے نتیجہ میں مسلم معاشرے میں بہت بھاری تعداد میں باہر سے عورتیں اور لونڈیاں آئیں اور یہ چیز اس معاملے میں قرآن مجید کے اصل مقصد کے لیے رکاوٹ بن گئی[45]۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کی پوری تاریخ میں بشمول دور نبوی نہ ڈاکٹر صاحب کا فرضی مثالی اخلاقی معاشرہ کبھی قائم ہوا' نہ تمنائے نبوی برآئی نہ قرآن کا اصل مقصد کبھی پورا' بلکہ اسلام فتوحات اس کے لیے رکاوٹ بنتی چلی گئیں۔

ان دونوں پہلوؤں (ایجابی وسلبی) کا عصری تناظر میں تحقیقی وناقدانہ جائزہ

ڈاکٹر صاحب کے دونوں میں پہلوؤں سلبی زیادہ ہے جس کے بدولت ان کو پاکستان میں وہ پذیرائی حاصل نہیں ہوئی جس طرح کہ کسی ایسے علمی شخصیت کی ہونے چاہیے تھے۔ فضل الرحمن کے لیے فکر کے احیاء کا پہلا قدم اسلام میں قانونی الہیاتی' اور صوفیانہ کام پر تاریخی تنقیدی نظر ڈالنا تھا۔ ان کے منصوبے کے مطابق قرآن نظریات اور الہیات' تفسیر اور قانون جیسے شعبوں کے درمیان جو تفاوت پائی جاتی ہے اس کا سامنا یوں لانا لازمی سمجھنا جو مستشرقین کی تایید میں کردار ادا کرتا ہے موجودہ دور جب کہ اسلام پر مختلف زاویے سے مستشرقین اعتراض کرتے رہے ہیں ایسے میں ڈاکٹر فضل الرحمن کے آراء کو وہ بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمن کی کتاب اسلام کے جائزے میں مریم جملیہ نے ڈاکٹر صاحب کے نتائج فکر اصل ہونے کی تردید اور ان کے اہل استشراق و تجدد کے نتائج فکر سے مماثل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے زیر بحث نکتے کو خوب نمایا کیا ہے وہ لکھتی ہے کہ علم و تحقیق کے اپنے معیار کے مطابق بھی ڈاکٹر فضل الرحمن اپنے بیان کردہ مقصد اجتہا اور آزاد بحث و تحقیق ار واس کے لیے سازگار فضا کے حصول میں ناکام ہوئے ہیں۔ قرآن پاک پر آپ کا باب اکثر و بیشتر مافوق الفطرت کی اسی نوع کی مخالفت ہے جیسی سرسید احمد خان کے یہاں ملتی ہے۔ حدیث اور شریعت کے ارتقا سے متعلق آپ کی بحث شاخت کے نظریات سے مماثل ہے۔ عصر حاضر تک کی اسلامی تاریخی براہ راست ایچ اے آر گپ سے ماخوذ ہے۔ آپ کی جدید عذر خواہیاں ایسی ہی ہیں جیسی سید امیر علی کے سپرٹ آف اسلام میں پائی جاتی ہیں۔ اسلام کے حال اور مستقبل سے متعلق آپ کے تجزیے سمتھ کی ''اسلام ان ماڈرن ہسٹری'' سے مختلف نہیں ہیں۔ اگر ڈاکٹر فضل الرحمن ایسی اہلیت کا حامل شخص بھی ذرا سا اصل' تخلیقی اور آزادی فکر وخیال پر مبنی کام پیش کرنے کے قابل نہیں' تو آپ کے آپ سے کم ذہین متبعین سے کیا توقع کی جاسکتی ہے[46]۔

خلاصۃ البحث

اگرچہ ایک اعلی پائے کے مسلم مفکر کی حیثیت سے ڈاکٹر فضل الرحمن کا کام چار دہایوں پر پھیلا ہوا ہے اگرچہ انہوں نے اپنی زندگی کی آخری دو دہائیوں' یعنی ۷۰ اور ۸۰ کی دہائیاں معلم اور مسلم دانشور کی حیثیت سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں گزاریں مگر ۶۰ کی دہائی میں ایوب خان کے دور حکومت میں وہ ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد کے ڈائیریکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے یہاں انہوں نے اسلام کی نئی تشریح و توجیہ کی جو فکری اور عملی کوششیں کیں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

میں نے اپنا کردار اس وقت ادا کیا جب میں صدر ایوب خان کی دعوت پر (۱۹۶۱ء ۱۹۶۸) پاکستان میں تھا۔ میں ادارہ تحقیقات اسلامی کا سربراہ تھا جو ایوب خان کو حکومتی پالیسیوں کے بارے میں ایسے مشورے دینے کے لیے قائم کیا گیا تھا جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہوں' اور ہم جدید دنیا کے بدلتے ہوئے تناظر میں انہیں لاگو کرنے کے لیے مناسب تشریحات کریں[47]۔

تاہم امریکہ اور کینڈا میں ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے اور انہوں نے اپنے استاد کے کام آگے بڑھانے کوشش کی اور ان کے کام اور زندگی پر انتہائی اہم مقالات اور مضامین لکھ کر انہیں زندہ رکھا ہے۔ پاکستان میں فضل الرحمن مرحوم کے کتابوں کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ مسلم دانش وروں سکالرز کے استشراقی و مغربی افکار سے تاثر اور ان کے نتائج فکر کی روشنی میں اختیار کردہ نظریات کی ہے ورنہ بعض نظریات ایک خاص تناظر میں قابل اعتراض نہں ہوتے' جیسا کہ یہ تصور کہ اسلام میں ضروریات زمانہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور یہ مختلف احوال وظروف سے توافق کی صلاحیت رکھتا ہے' بنیادی طور پر غلط نہیں ہے لیکن مستشرقین اور ان کے تتبع میں تجدد پسند اس تصور کو جس حد تک وسعت دیتے ہیں وہ درست نہیں۔

حواشی وحوالہ جات

1 سہ ماہی کرائٹیرین' مقالہ نگار' اے جی نورانی' ڈاکٹر فضل الرحمن' ج۹' شمارہ۱' مارچ۲۰۱۴' ص۷۶۔

2 ابراہیم موسیٰ' اسلام میں احیاء اور اصلاحی بنیادی پرستی کا ایک مطالعہ' ون ورلڈ' آکسفورڈ' ۲۰۰۶؛ص ۱۔۲۹۔

3 فکر و نظر ادارہ تحقیقات اسلامی' ،کراچی' ۱۹۶۳' ج۱' شمارہ۱'۔

4 فکر و نظر' ادارہ تحقیقات اسلامی' کراچی' اپریل ۱۹۶۸۔ شمار نمبر۹, ص ۲۔

5 منج' محمد شہباز' ڈاکٹر' فکر استشراق اور عالم اسلام اس کا اثر و نفوذ' القمر پبلی کیشنز' لاور' ۲۰۱۶' ص۱۹۹

6 فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی ڈائریاں ۱۹۶۶تا۱۹۷۲ تدوین وشرح از کریک.بیکسٹر' آکسفورڈ یونیورسٹی پریس' کراچی ۲۰۰۷ ' ص ۹۰۔

7 فضل الرحمن' ڈاکٹر' اسلام' مصنف کا پیش لفظ۔ مترجم: محمد کاظم

8 Fazal ur-Rehman, Islamic Methodology in Histroy (1965) p. 70۔

9 Fazul Rehman, Quranic Solution of Pakistan's Educational Problems Islamic Studeis, Vol 6, No 4, 1967, p.320

10 حوالہ مذکور

11 حوالہ مذکور' ص ۳۲۲

12 حوالہ مذکور

13 حوالہ مذکور

14 فکر و نظر' اردو کا اسلامی ادب' ج۲' شمارہ' ۷ جنوری ۱۹۶۵ء۔

15 حوالہ مذکور' ص۴۰۹

16 اگرچہ اقبال کی فکر کے بعض پہلوؤں کے حوالے سے ڈاکٹر فضل الرحمن کے خیالات میں وقت کے ساتھ ساتھ نمایاں تبدیلی واقع ہوئی اور آہستہ آہستہ ان کے شکوے شکایت کم یا ختم ہونے چلے گئے۔ اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر فضل لرحمن کے فکری ارتقاء کی جھلک ن کی تحریروں میں ملتی ہے جن کا ذکر

حوالہ نمبر ۲۱ میں کیا گیا ہے۔ اردو سلامی ادب ص ۴۱۴' یہ اشارہ اقبال کی مشہور انگریزی تصنیف Reconstruction of Relious Thought کی طرف ہے۔

[17] حوالہ مذکور ص۴۳۱۔

[18] فضل الرحمن' اسلام اور جدیدیت' مترجم محمد کاظم' مشعل لاہور' ۱۹۹۸ء ص ۳۰

[19] حوالہ مذکور۔

[20] حوالہ مذکور۔

[21] فضل الرحمن' اسلام مترجم محمد کاظم' ص۸۔

[22] Fazl ur Rehman, Internal Religious Development in the present , century Islam in Journal of World History vol 2, No 4, 1955 p. 865.

[23] Fazl ur. Rehman, Muslim Modernis in the indo Pakistn sub content in Bullentin ۔ Schol of oriental and African stdies vol 21, n 1958, p 83

[24] اسلامی جدیدیت ص ۶۵

[25] آسٹرین متشرق آسٹریا کی یونی ورسٹی آف دیانا سے قدیم عربی شاعری پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی شکاگو یونورسٹی اور کیلی فورنیا یونیورسٹی میں پروفیسر رہے۔

[26] فضل الرحمن ڈاکٹر' اسلامی ثقافت کیا ہے' فکر و نظر' شمارہ۵۔۴ ' ۱۹۶۷ ' ص۳۴۵۔ انگریزی مضمون Dr Fazul Rhman "what is islamic Cultrue? " The Light, Lahore March 24, 1973 , 5

[27] چارلسس آدم' اسلام اور تحریک تجدد مصر میں اردو ترجمہ' ص۳۶۸۔

[28] ۔ فضل الرحمن' ڈاکٹر' اسلام' مترجم محمد کاظم' ص۲۶۔۲۷۔

[29] حوالہ مذکور۔

[30] حوالہ مذکور

[31] Asad , Islam at the Cross Roads, P 112, 130

[32] فضل الرحمن' اسلام' ص۵۶۔

[33] حوالہ مذکور۔

[34] حوالہ مذکور ص۲۸

[35] حوالہ مذکور' ص۳۶

[36] حوالہ مذکور' ص۴۹۔

[37] فکر و نظر' ج۱' شمارہ۱' ص۱۶' ۱۹۶۳ء۔

[38] حوالہ مذکور' ص۱۸۔

[39] حوالہ مذکور۔

[40] حوالہ مذکور، ج۲، شمارہ۲، ص۲۷۔

[41] حوالہ مذکور ص۲۷

[42] حوالہ مذکور۔ ص۱۶

[43] حوالہ مذکو، ص۲۷؛لدھیانوی، دور جدید کے تجدد پسند کے آفکار، ص۵۴۔

[44] فکر و نظر، ج۳، ص۵۷۔

[45] حوالہ مذکو، ج۴,شمارہ۱ ، ص۲۸۔

[46] Jamila , Islam and Modernism p 121.

[47] My Relef in Action p.157